صحافت پر عائد ریاستی پابندیاں (شریعت اسلامیہ کے تناظر میں ایک تجزیاتی مطالعہ)

State-Imposed Restrictions on Journalism An Analytical Study from a Sharīʻah Perspective

Zia Ur Rehman
Ph.D. Scholar (Sharīʻah), Department of Sharīʻah, Allama Iqbal Open University, Islamabad
Email: zia.ur.rehman202@gmail.com
Dr. Tahira Ifraq
Lecturer Department of Sharīʻah, Allama Iqbal Open University, Islamabad
Email: tahiraifraq@gmail.com

Abstract
This paper examines the restrictions placed on media freedom in contemporary Islamic Republic of Pakistan, focusing on how such restrictions impact freedom of expression and governance. In many countries of the world, freedom of expression is curtailed, and media censorship is prevalent. This is largely due to the inaccessibility of rulers, who are often surrounded by strict security measures, preventing direct communication from the general populace. Consequently, the media becomes a crucial channel for public dissent and critique of government policies. The paper categorizes state-imposed restrictions on journalists into two primary types: those protecting the personal and political interests of rulers and high-ranking officials, and those aimed at safeguarding national security.

The first type of restriction prevents journalists from publishing information that could expose corruption or incompetence among government officials. Such restrictions often protect the reputations of individuals at the expense of broader societal benefits, as exposing wrongdoing can lead to reforms and accountability within the government. The second type of restriction involves prohibitions against disclosing sensitive information related to national security and defense, which could potentially compromise national interests.

By analyzing these restrictions from an Islamic legal perspective, this paper explores their justifiability and the balance between protecting national security and upholding freedom of expression. The discussion highlights the complexities of maintaining both effective governance and media freedom in an Islamic state.

Keywords: Journalism, Restrictions, Government, Law, Sharīʻah, Security, Freedom, expression

صحافت اور صحافیوں پر عائد کی جانی والی پابندیاں

حکومت و سرکاری اداروں کی طرف سے صحافیوں پر لگائی جانی والی پابندیاں بنیادی طور پر دو طرح کی ہوتی ہیں پہلی قسم کی پابندیاں وہ ہوتی ہیں جو صحافیوں کے ان افعال پر عائد کی جاتی ہیں جو حکمرانوں اور اعلیٰ عہدیداروں کے ذاتی و سیاسی مفادات کے خلاف ہوتے ہیں۔ صحافیوں کو ایسی خبریں شائع کرنے سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کی وجہ سے کرپٹ اور نااہل وزراء، اراکین اسمبلی اور اعلیٰ سرکاری افسران کی ساکھ متاثر ہوتی ہے۔ ان کا کردار کھل کر عوام کے سامنے آجاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی بدنامی ہوتی ہے۔ ایسی خبروں کی اشاعت سے فرد واحد یا کسی خاص طبقے یا جماعت کی ساکھ کو تو نقصان پہنچتا ہے لیکن ملک و قوم کو فائدہ ہوتا ہے کیونکہ ایسی خبروں کی اشاعت کے بعد کرپٹ افراد کے خلاف تحقیقات ہوتی ہیں اور اگر یہ درست ثابت ہو جائیں تو انہیں یا تو ان کے عہدوں سے فارغ کر دیا جاتا ہے یا انہیں اپنی اصلاح کا موقع دیا جاتا ہے جس کے بعد اکثر افراد اپنے افعال بد سے باز آجاتے ہیں اور ریاست ان کی طرف سے مزید نقصان سے بچ جاتی ہے۔

دوسری طرح کی پابندیاں وہ ہوتی ہیں جو صحافیوں کے ان افعال پر عائد کی جاتی ہیں جو ملکی مفادات کے خلاف ہوتی ہیں۔ یعنی صحافی ایسی خبریں شائع کرتے ہیں جن کی وجہ سے کوئی ایسی بات ملک دشمن عناصر تک پہنچ جاتی ہے جسے خفیہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ بات ریاست کے مفاد کے خلاف ہوتی ہے۔ بہت سے صحافیوں کی رسائی اہم اداروں کے ملازمین و افسران تک ہوتی ہے بسا اوقات وہ ان سے کوئی ایسی بات اگلوا لیتے ہیں جو اس ادارے کے کسی اجلاس میں کہی گئی ہوتی ہے یا ملکی دفاع و سلامتی کے حوالے سے کوئی خفیہ فیصلہ کیا گیا ہوتا ہے۔ جس کو ظاہر و شائع کرنا ملکی سلامتی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ ایسی خبریں بھی ہوتی ہیں جن کی اشاعت ملکی ساکھ کو متاثر کرتی ہے، مثلاً کوئی ایسی بات جو اقوام عالم میں معیوب سمجھی جاتی ہے اسے چھپانا ہی بہتر ہوتا ہے اگر اسے شائع کیا جائے تو ملک و قوم کی بدنامی کا باعث بنتی ہے اور ریاست کی ساکھ متاثر ہوتی ہے یا عالمی سطح پر مختلف قسم کی پابندیوں کا باعث بنتی ہے تو ایسی خبروں کی اشاعت پر بھی پابندی عائد کی جاتی ہے۔

اس تحقیقی مقالہ میں دونوں طرح کی پابندیوں پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شرعی لحاظ سے ان کے جواز و عدم جواز پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ا۔ وہ پابندیاں جو اشخاص و جماعتوں کے ذاتی و سیاسی مفادات کے تحفظ کے لیے لگائی جائیں

یہ انسانی فطرت ہے کہ اسے ہر وہ چیز، بات یا خبر پسند آتی ہے جو اس کے حق میں ہو، جس کی وجہ سے اس کی تعریف ہو لیکن اسے ایسی کوئی بات پسند نہیں آتی جو اس کے خلاف ہو یا جس کی وجہ سے اس کی ساکھ کو نقصان

پہنچے۔ وہ ایسی بات کو روکنے اور دبانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا جو اس کے لیے نقصان دہ ہو، وہ نقصان خواہ مالی لحاظ سے ہو یا اس کی عزت نفس کا نقصان ہو یا اس کے سیاسی کیریئر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو غرض کسی بھی طرح کا خطرہ لاحق ہو رہا ہو تو حتی الوسع اس خبر کو روکنے کی کوشش کرے گا۔

حکومت کے پاس چونکہ طاقت زیادہ ہوتی ہے اس لیے وہ میڈیا کی آزادی کو روکنے کی کوشش بھی زیادہ کرتی ہے۔ اسی طرح سرکاری محکمے بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی خبر نشر نہ ہو، چاہے ان کی حرکات کتنی ہی معیوب کیوں نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص دیانتدار ہو گا اسے کسی بات کا خوف نہیں ہو گا وہ میڈیا کو بھی اپنے تک رسائی دے گا اور اپنے متعلق کسی خبر کی اشاعت سے خوف زدہ بھی نہیں ہو گا۔ لیکن جس شخص کو اپنی غلط حرکات کا علم ہو گا وہی ان کی نشر و اشاعت سے خوف زدہ ہو گا۔ کیونکہ انسان نہیں چاہتا کہ اس کے گناہوں اور عیوب کی کسی کو خبر ہو۔ حدیث مبارکہ میں بھی گناہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالإِثْمُ مَا حاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ"[1]

نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے اور تم اس بات کو ناپسند کرو کہ لوگ اس سے واقف ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جن اعلیٰ عہدیداروں اور افسران کے افعال درست نہیں ہوتے وہ میڈیا کو خود تک رسائی دینے سے گھبراتے ہیں کیونکہ ان کے اعمال ایسے ہوتے ہیں جو گناہ اور جرم کے زمرے میں آتے ہیں تو وہ اس حدیث کے مصداق بن جاتے ہیں کہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ لوگ ان کے افعال پر مطلع ہوں۔ لہٰذا وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے میڈیا کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب ذاتی مفادات کو عزیز رکھنے والے لوگ حکومت میں آتے ہیں تو انہیں اپنے مفادات کے لیے کام کرنا ہوتا ہے جس کے لیے وہ ملکی مفادات کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں لیکن انہیں ہر وقت یہ دھڑکا بھی لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کی ان حرکات کا علم عوام کو ہو گیا اور ان کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوئے تو ان کے لیے مسائل پیدا ہو جائیں گے، ان کے مفادات کو دھچکا لگے گا اور انہیں عہدے سے بھی ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کی حرکات کی خبر صرف میڈیا کے ذریعے ہی عوام کو ہو سکتی ہے۔ اس لیے وہ مختلف حربے استعمال کر کے میڈیا کی آزادی کو سلب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حکمرانوں اور اعلیٰ افسران کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے اختیارات کا فائدہ اٹھائیں اور ان کا خوب جائز و ناجائز استعمال کریں، لیکن میڈیا کی آزادی ان کی اس آزادی کو کافی حد تک سلب کر لیتی

ہے۔ صحافی ان پر ہر دم نظر رکھے ہوتے ہیں۔ وہ کوئی قانون منظور کریں تو میڈیا کے ذریعے فوراً عوام تک پہنچ جاتا ہے ،یہی نہیں بلکہ اس قانون کے مفید و مضر اثرات کا جائزہ بھی میڈیا کے ذریعے ہی عوام معلوم کر لیتے ہیں۔ اگر تو وہ اچھے قوانین ہوں تو عوام انہیں سراہتے ہیں اور اگر قوانین کے مضر اثرات زیادہ ہوں تو عوام ان کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں یوں اس قانون کا نفاذ تو متاثر ہوتا ہی ہے اس کے ساتھ قانون بنانے والوں کی ساکھ کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

اس کے علاوہ ان کی نااہلی، کرپشن، رشوت اور اقربا پروری وغیرہ کے راستے میں بھی بڑی حد تک میڈیا حائل رہتا ہے۔ انہیں ان کاموں سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ میڈیا کا کام ہے خبر دینا اگر صحافیوں کی رسائی کسی بھی وزیر یا سرکاری افسر تک ہو جائے اور وہ اس کی غلط کاریوں پر مطلع ہو جائے تو اسے ایک خبر کے طور پر وہ میڈیا میں شائع کر دے گا جب یہ خبر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی زینت بنے گی تو تمام عوام وخواص اس سے باخبر ہو جائیں گے پھر اس کے خلاف ایک پروپیگنڈا شروع ہو جائے گا جس کی وجہ سے اسے تفتیش کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے اور عہدے و ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑ سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ عہدیدار ہمیشہ میڈیا سے خائف رہتے ہیں اور میڈیا سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس کے لیے وہ میڈیا کی آزادی کو سلب کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے کہ حکومت نے 2022ء میں پیکا قانون میں ترامیم کر کے اس میں کچھ شقیں ایسی ڈال دیں جن کی وجہ سے میڈیا کی آزادی کو سلب کیا گیا۔ بظاہر تو یہ شقیں فیک نیوز کو روکنے اور دوسروں کی عزت کے تحفظ کے لیے تھیں لیکن پس پردہ حکومت اور سیاسی رہنماؤں پر تنقید کرنے والے صحافیوں کے گرد گھیرا تنگ کرنے کی ایک کوشش تھی۔ اس ترمیم کے مطابق:

اب 'شخص' میں کوئی بھی کمپنی، ایسوسی ایشن، ادارہ یا اتھارٹی شامل ہے جبکہ ترمیمی آرڈیننس میں کسی بھی فرد کے تشخص پر حملے پر قید تین سے بڑھا کر پانچ سال تک کر دی گئی ہے۔

اس صدارتی آرڈیننس کے مطابق شکایت درج کرانے والا متاثرہ فریق، اس کا نمائندہ یا گارڈین ہو گا، جرم کو قابل دست اندازی قرار دے دیا گیا ہے جو نا قابل ضمانت ہو گا۔

ترمیمی آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ ٹرائل کورٹ چھ ماہ کے اندر کیس کا فیصلہ کرے گی اور ہر ماہ کیس کی تفصیلات ہائی کورٹ کو جمع کرائے گی۔ آرڈیننس کے مطابق ہائی کورٹ کو اگر لگے کہ کیس جلد نمٹانے میں رکاوٹیں ہیں تو رکاوٹیں دور کرنے کا کہے گی۔

آرڈیننس کے مطابق وفاقی وصوبائی حکومتیں اور افسران کو رکاوٹیں دور کرنے کا کہا جائے گا۔ ہر ہائی کورٹ کا چیف جسٹس ایک جج اور افسران کو ان کیسز کے لیے نامزد کرے گا۔[2]

اس آرڈیننس پر تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے تنقید کی اور اسے آزادئ اظہار رائے کو سلب کرنے کے مترادف قرار دیا۔ جن اہم اداروں اور تنظیموں نے اس آرڈیننس کو مسترد کیا ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

1۔ پاکستان بار کونسل نے اس قانون کو آزادئ اظہار رائے کو ختم کرنے اور میڈیا کی آواز کو دبانے کی کوشش قرار دیا۔[3]

2۔ ہیومن رائٹس واچ نے اس قانون کو آزادئ اظہار رائے کو خاموش کرنے کی کوشش کہا۔[4]

3۔ اسلام آباد ہائی کورٹ نے اس آرڈیننس کو آئین کے سیکشن A-19 میں فراہم کی گئی آزادئ اظہار رائے کے خلاف قرار دے کر ختم کر دیا۔[5]

4۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (جس نے آرڈیننس کے خلاف اسلام آباد ہائی کورٹ میں درخواست دی تھی) اور انٹرنیشنل فیڈریشن آف جرنلسٹس نے اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کا خیر مقدم کیا۔[6]

5۔ سول سوسائٹی نے بھی الیکٹرانک کرائمز (ترمیمی) آرڈیننس 2022 کی سختی سے مذمت کی۔[7]

مذکورہ بالا اہم اداروں اور تنظیموں بالخصوص عدالت اور بار کونسل نے یہ ثابت کیا کہ حکومت نے اس آرڈیننس کے ذریعے آزادئ اظہار رائے اور میڈیا کی آزادی کو سلب کرنے کی کوشش کی۔ حکومتیں اس طرح کی پابندیاں وقتاً فوقتاً عائد کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ میڈیا کی آزادی کو سلب کرنے کے لیے مختلف حربے اختیار کیے جاتے ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

ا۔ اشتہارات کی بندش

عصر حاضر میں صنعتی ترقی کی وجہ سے اشتہارات کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ چکی ہے، تمام کمپنیاں اپنی مصنوعات کی خریداری کی طرف خریداروں کو راغب کرنے یا اپنی خدمات کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے لیے اشتہارات جاری کرتی ہیں۔ ان اشتہارات کو زیادہ سے زیادہ پرکشش بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ زیادہ لوگوں کی توجہ حاصل کر کے اپنی مصنوعات وخدمات کو وسیع پیمانے پر پھیلایا جاسکے۔

میڈیا میں اشتہارات بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اشتہارات میڈیا میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، میڈیا اداروں کی آمدن کا زیادہ تر انحصار اشتہارات پر ہوتا ہے۔ کیونکہ صارفین کی طرف سے حاصل کی گئی رقم سے کوئی بھی میڈیا ادارہ چلانا ممکن نہیں ہے۔ بالخصوص ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے سامعین وناظرین تو

انہیں کچھ نہیں دیتے بلکہ سب کچھ مفت دیکھتے اور سنتے ہیں تو ایسی صورت میں ان اداروں کو چلانے کے لیے اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کی معاشی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ اسی طرح اخبارات بھی اگرچہ قارئین کو فروخت کیے جاتے ہیں لیکن وہ اتنی معمولی رقم میں فروخت ہوتے ہیں کہ اس رقم سے پورے ادارے کا نظام چلانا بہت مشکل ہوتا ہے لہٰذا ان تمام اداروں کو اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اشتہارات کافی مہنگے لیے جاتے ہیں تو ان اشتہارات کے ذریعے ان اداروں کے اخراجات پورے ہو جاتے ہیں۔

یہ اشتہارات کئی قسم کے ہوتے ہیں اور مختلف ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے اشتہارات دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ٹیلی ویژن میں چلنے والے اشتہارات میں ایک مختصر ویڈیو فلم بنائی جاتی ہے جس میں مصنوعات و خدمات کی خصوصیات بتائی جاتی ہیں اور ساتھ ہی انہیں دلکش انداز سے دکھایا بھی جاتا ہے۔ ریڈیو میں صرف آواز کے ذریعے اشتہار پیش کیا جاتا ہے، اخبارات ورسائل میں تحریر اور تصاویر کے ذریعے اشتہار کو زیادہ سے زیادہ پرکشش بنا کر دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اشتہارات کی اہمیت اخبارات کے لیے اس قدر زیادہ ہے کہ اشتہارات کو اخبارات میں ریڑھ کی ہڈی قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اشتہارات کے بغیر اخبارات کے وجود کو برقرار رکھنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ اخبارات کی آمدن کا بڑا حصہ اشتہارات سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اشتہارات اخبارات کے حسن میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ اخبارات کی ایک تہائی آمدن اخبارات کی سرکولیشن یا اخبار کی فروخت سے حاصل ہوتی ہے جبکہ دو تہائی آمدن اشتہارات سے ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اشتہارات کی بھرمار ہے اس کے باوجود اخباری اشتہارات کی اہمیت برقرار ہے بالکل اسی طرح جس طرح ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی موجودگی میں اخبارات کی اہمیت اپنی جگہ باقی ہے۔

ٹیلی ویژن اور ریڈیو میں سامعین وناظرین اشتہارات اور دیگر معلومات سے اس وقت تک استفادہ کر سکتے ہیں جب تک وہ سکرین پر رہتے ہیں یا ریڈیو پر چلتے رہتے ہیں جیسے ہی وہ وہاں سے غائب ہوئے ساتھ ہی لوگوں کے لیے بھی دوبارہ سننا یا دیکھنا ناممکن ہو گیا۔ لیکن اخبارات میں اسے قارئین محفوظ کر لیتے ہیں اور جب بھی فرصت ملے اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اخبارات کے اشتہارات کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اشتہارات کافی مہنگے پڑتے ہیں جبکہ اخبارات کے اشتہارات سستے ہوتے ہیں۔

اخبارات میں اشتہارات کی قیمت صفحہ یا سطر کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔ بڑے اخبارات زیادہ فی سینٹی میٹر یا فی سطر کے حساب سے ریٹ لگاتے ہیں جبکہ چھوٹے اخبارات میں زیادہ تر صفحہ کے حساب سے ریٹ لگتا ہے جیسے پورا صفحہ، آدھا صفحہ اور پاؤ صفحہ وغیرہ۔

اخبارات میں پرائیویٹ ادارے اور سرکاری شعبے اور محکمے اپنے اپنے اشتہارات دیتے ہیں ان میں قومی اور مقامی زبانوں کے اشتہارات شامل ہوتے ہیں۔ سرکاری محکمے عوام الناس کی آگاہ کے لیے اہم اعلانات اور ملازمتوں وغیرہ کے اشتہارات شائع کراتے ہیں جبکہ پرائیویٹ کمپنیاں زیادہ تر اپنی مصنوعات کی تشہیر کے لیے اخباری اشتہارات کی خدمات حاصل کرتی ہیں۔[8]

سرکاری اداروں اور نجی کمپنیوں کے علاوہ عام شہری بھی اپنی کسی ضرورت کے لیے میڈیا میں اشتہارات دیتے ہیں۔ سرکاری اشتہارات کا مقصد کبھی تو ملازمتوں کا اعلان کرنا ہوتا ہے یا حکومت کے کسی اہم منصوبے کا اعلان کرنا ہوتا ہے۔ نجی کمپنیاں مصنوعات کی تشہیر کے لیے جبکہ عوام کی طرف سے جاری ہونے والے اشتہارات میں تبدیلی نام، جائیداد کی خرید و فروخت، تلاش گمشدہ وغیرہ کے اعلانات ہوتے ہیں۔

اب ان اشتہارات میں سے بھی اصل آمدن سرکاری اور نجی کمپنیوں کی طرف سے جاری کردہ اشتہارات سے ہوتی ہے۔ حکومت جب میڈیا پر قدغن لگاتی ہے اور اسے اپنے خلاف بات کرنے سے روکنا چاہتی ہے تو اس کی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ اشتہارات بند کر دیتی ہے۔ سرکاری اشتہارات پر پابندی عائد کرنے کے ساتھ ساتھ نجی کمپنیوں کو بھی مختلف طریقوں سے ڈرا دھمکا کر یا کوئی لالچ دے کر میڈیا کو اشتہارات نہ دینے کی پابند بنا دیتی ہے۔ اس طرح اشتہارات حکومت کے من پسند اخبارات جو حکومت کی مدح سرائی کریں انہیں ملنے لگتے ہیں اور دیگر اخبارات جو حکومت اور دیگر اعلیٰ عہدیداران کی مخالفت کرتے ہوں، ان پر تنقید کرتے ہوں یا ان کی اصلاح کی فکر میں ہوں انہیں اشتہارات نہیں دیے جاتے۔

جب میڈیا کو اشتہارات نہیں ملتے تو اس کے اداروں کو بہت مشکل پیش آتی ہے، ملازمین کو تنخواہوں کی ادائی تک متاثر ہو جاتی ہے۔ کبھی تو یہ پابندی اتنی سخت ہو جاتی ہے کہ کئی ادارے، اخبارات و ٹی وی چینل ہی بند ہو جاتے ہیں اور کبھی یہ ادارے حکومت کے خلاف بولنا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی مدح سرائی کرنے لگتے ہیں۔

عصر حاضر میں صحافت بھی دیگر تمام کاروباروں کی طرح ایک کاروبار بن چکا ہے۔ اس کے چھوٹے بڑے بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں۔ بہت سے افراد ان اداروں کو چلاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ان اداروں کے مالکان ہوتے ہیں جبکہ دوسرے ان کے ملازمین ہوتے ہیں۔ پھر ملازمین بھی دو طرح کے ہوتے ہیں کچھ تو نچلے درجے کے

ہوتے ہیں جو ادارے کے چھوٹے مگر ضروری کام سرانجام دیتے ہیں جبکہ دوسری طرح کے ملازمین وہ باصلاحیت افراد ہوتے ہیں جنہیں قدرت نے تقریر یا تحریر یا دونوں صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے، انہی کی وجہ سے یہ ادارے کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ افراد یا تو رپورٹنگ کرتے ہیں یا ٹی وی کے ٹاک شوز میں اپنا تجزیہ وغیرہ پیش کرتے ہیں خبریں بناتے اور کالم لکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر تنخواہیں وصول کرتے ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنی زندگی کا نظام چلا رہے ہیں۔ لیکن چند نامور صحافیوں کے علاوہ عام صحافیوں کے مالی حالات زیادہ اچھے نہیں ہوتے، وہ معمولی اجرت پر ملازمت کرتے ہیں اور ہر وقت انہیں نوکری جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

اعلیٰ درجے کے مشہور و معروف صحافیوں کو تو اچھی تنخواہیں مل جاتی ہیں لیکن عام رپورٹرز اور چھوٹے صحافیوں کو نہایت معمولی تنخواہیں ملتی ہیں جبکہ کالم نویسوں کو چھوٹے یا درمیانے درجے کے اخبارات کچھ بھی نہیں دیتے وہ مفت میں ہی لکھتے رہتے ہیں۔ اس طرح جب ان صحافیوں کے اخراجات پورے نہیں ہوتے تو ان کے لیے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے شعبہ صحافت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اسی طرح اخبارات میں بھی درجہ بندی ہوتی ہے۔ بڑے اخبارات کو اچھے اور زیادہ اشتہارات ملتے ہیں جس سے ان کا نظام اچھا چل جاتا ہے لیکن چھوٹے درجے کے اخبارات کو نسبتاً کم معیاری اور تعداد میں بھی کم اشتہارات ملتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی آمدن اتنی اچھی نہیں ہوتی تو ان کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے۔[9]

اگرچہ موجودہ دور میں الیکٹرانک میڈیا کی وجہ سے ادارے کے مالکان یا نامور صحافیوں اور مشہور تجزیہ کاروں کے معاشی حالات قدرے بہتر ہیں لیکن حالات اچھے ہوں یا برے، تنخواہ کم ہو یا زیادہ یہ سب تب تک ہے جب تک حکومت اس ادارے سے خوش ہے۔ اگر حکومت یا اعلیٰ افسران کی ان اداروں سے ناراضگی ہو جائے تو ادارے کے مالکان کو ادارے کے بند کرنے اور دیگر پابندیوں کی دھمکیاں ملنی شروع ہو جاتی ہیں۔ نتیجتاً صحافیوں کو یا تو حق گوئی سے ہاتھ کھینچنا پڑتا ہے یا نوکری سے ہاتھ دھونا پڑ جاتا ہے۔ تو اکثر صحافی بے روزگاری کے خوف سے حکومت کی مدح سرائی میں مصروف رہتے ہیں اور حق بات کہنے سے کتراتے ہیں۔ کئی ایک نامور صحافی بھی اعلیٰ افسران اور اداروں پر تنقید کی وجہ سے ٹیلیویژن پر اپنے مشہور و معروف پروگراموں سے نکال دیے گئے اور انہیں ادارے سے فارغ کر دیا۔ کیونکہ حکومت نے ایک طریقہ یہ بھی اپنا لیا ہے کہ وہ صحافیوں کو براہ راست منع کرنے کی بجائے میڈیا مالکان پر دباؤ ڈالتی ہے اور انہیں اشتہارات اور چینل کی بندش کی دھمکیاں دی جاتی ہیں جس کے خوف سے وہ خود ہی

اپنے ادارے میں کام کرنے والے صحافیوں کو حکومت یا کسی ادارے پر تنقید سے روک دیتے ہیں یا انہیں ادارے سے ہی نکال دیتے ہیں۔ یعنی حکومت کی طرف سے معاشی دباؤ ڈال کر بھی صحافیوں کو ان کی حق گوئی سے روکا جاتا ہے۔

ایسے افراد بھی بہت بڑی تعداد میں موجود ہوتے ہیں جو باصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ بے روزگار ہوتے ہیں تو انہیں اخبارات کے مالکان معمولی تنخواہ پر رکھ لیتے ہیں، ان سے بہت سے کام کرائے جاتے ہیں اور بدلے میں تھوڑی سی تنخواہ دی جاتی ہے۔ ایسے صحافی صرف وہی لکھ سکتے ہیں جو اخبار کے مالکان چاہتے ہیں۔ اپنی طرف سے معاشرے کی اصلاح کی غرض سے کچھ لکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ عام طور پر اخبار کے مالکان کی سیاسی شخصیات کے ساتھ دوستی ہوتی ہے تو جن کے ساتھ ان کی دوستی ہو ان کے خلاف کچھ لکھ نہیں پاتے اگر صحافی ان کے خلاف کچھ لکھ یا بول دے تو اسے نوکری سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

تو بلا جواز پابندیوں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ صحافیوں کے لیے معاشی مسائل پیدا کر دیے جائیں اور انہیں بے روزگاری کا خوف دلا کر حق گوئی سے روکنے اور اپنے کالے کرتوتوں کو چھپانے کی کوشش کی جائے۔ تو جب صحافیوں کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذریعہ آمدن ایک یہی ہے اور اسی سے اپنے تمام اخراجات پورے کرنے ہیں، پورے خاندان کو اسی پر پالنا ہے تو پھر وہ کیسے اپنی زبان کھول سکتے ہیں؟ تو بے روزگاری وغربت کی دھمکیوں سے بہت سے صحافی جھوٹ بولنے یا حق کو چھپانے کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں کیونکہ فقر چیز ہی ایسی ہے جو انسان سے بہت کچھ بلکہ کچھ بھی کرا دیتی ہے، یہاں تک کہ یہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سب سے بڑا خزانہ ہدایت ہے تو جو فقر وفاقہ کے خوف سے اس ایمان کی ہدایت کے خزانے کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ فقر سے رسول اللہ ﷺ خود بھی پناہ مانگتے ہوئے دعا فرمایا کرتے تھے:

"اللَّهمَّ إنِّي أعوذُ بكَ مِنَ الكفرِ، والفقرِ"[10]

اے اللہ! میں کفر اور فقر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

فقر جب انتہا کو پہنچ جائے تو عام طور پر لوگ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اس لیے صحافی بھی جب حق کہنے لگیں تو انہیں فقر سے ڈرایا جاتا ہے جس کے خوف سے اکثر صحافی یا تو جھوٹ بولنے لگتے ہیں یا صحافت ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

۳۔ دھونس اور دھمکیاں

صحافیوں کو اپنے کام سے روکنے کے لیے دھونس اور دھمکیوں سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی صحافی حق گو ہو اور وہ حکومت یا کسی ادارے کی نااہلی کو عوام کے سامنے لے آئے تو اسے روکنے کے لیے اسے گرفتاری، قید وبند

، جسمانی تشدد حتیٰ کہ قتل کی دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں۔ حکومت یا ادارے براہ راست تو اس قسم کے قبیح فعل نہیں کر سکتے اس لیے وہ کسی واسطے سے یا خفیہ طور پر ایسا کرتے ہیں اور یہ نہیں کہ صرف زبانی دھمکیوں سے ہی کام چلاتے ہیں بلکہ بسا اوقات ایسا کر بھی گزرتے ہیں۔ کئی بار دیکھا گیا ہے کہ کسی صحافی نے کسی ادارے یا حکومت کے خلاف زبان کھولی اور ادھر خبر آئی کہ صحافی لاپتہ ہو گیا۔ پھر چند روز بعد یا تو اسے تشدد کر کے اور ڈرا دھمکا کر آئندہ منہ بند رکھنے کی شرط پر رہا کر دیا جاتا ہے یا کہیں سے اس کی لاش ملتی ہے۔ ان تمام واقعات کا الزام نامعلوم افراد پر لگا دیا جاتا ہے جو نہ تو کبھی گرفتار ہوئے ہیں اور نہ ہی انہیں سزائیں ملی ہیں کیونکہ نامعلوم افراد کوئی دوسرا نہیں بلکہ خود گرفتار کرنے والے اور سزائیں دینے والے ہوتے ہیں۔

ہر سال مختلف اداروں کی طرف سے صحافیوں کے اغواء، ان پر تشدد اور قتل کے حوالے سے رپورٹیں تیار ہوتی ہیں، جنہیں دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہر سال کتنے صحافیوں کو اغواء کیا گیا، تشدد کا نشانہ بنایا گیا یا قتل ہی کر دیا گیا۔ ہر سال کئی صحافی اس طرح کی دھمکیوں اور تشدد کا سامنا کرتے ہیں۔

اگرچہ دنیا بھر کے صحافیوں کے لیے صحافت ایک چیلنج ہے اور انہیں حق بات پر کچھ نہ کچھ قیمت چکانی ہی پڑتی ہے لیکن غریب اور ترقی پذیر ممالک میں صحافیوں کی حالت نہایت ابتر ہے۔ پاکستان بھی انہی ممالک میں سے ایک ہے جس میں صحافیوں کے لیے لاتعداد چیلنجز ہیں۔ اگر صحافی حقیقت بیان کرتے ہیں تو انہیں اس کی سزا ملتی ہے۔ صحافی ہر وقت خطرے میں رہتے ہیں، انہیں دھمکیاں ملتی رہتی ہیں اور کئی صحافیوں کو تو سزائیں بھی دی گئی ہیں۔ بہت سے صحافیوں کو قتل کر دیا گیا صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے قاتلوں کے خلاف کچھ لکھا یا کہا تھا۔

پاکستان میں کسی بھی طرح کا تعمیری کام کرنا خود کو مصیبت میں ڈالنا ہے کیونکہ پاکستان بہت سے اندرونی و بیرونی مسائل اور سازشوں کا شکار ہے۔ اس کے باوجود بڑی تعداد میں صحافی اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ کئی صحافیوں کو تو نہایت وحشیانہ طریقے سے قتل کیا گیا ان کی لاشیں صحافیوں نے ہی اٹھائیں اس کے باوجود اس شعبے کو ترک نہیں کیا اور نہایت بہادری کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں۔

عالمی تنظیمیں اور ادارے بھی پاکستان کو صحافیوں کے لیے غیر موزوں اور خطرناک ملک قرار دے چکے ہیں اور وہ پاکستان میں صحافیوں کے حالات پر تشویش کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ان کی طرف سے وقتاً فوقتاً اعداد و شمار بھی جاری کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحافیوں کو کس بے دردی سے اور کتنی بڑی تعداد میں قتل کیا جاتا ہے۔ ہر سال کئی صحافیوں پر تشدد اور قتل کے واقعات تواتر سے پیش آرہے ہیں۔[11]

تمام صحافیوں کے قتل کی خبریں اور تفصیلات کا ریکارڈ موجود ہے اور مختلف عالمی اداروں نے قتل کی نہ صرف خبریں شائع کیں بلکہ ان کی وجوہات اور پس منظر بھی بیان کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحافی جب کسی باا‌ثر شخصیت کے خلاف کچھ لکھتے ہیں تو اکثر ان کی اذیتوں اور پریشانیوں کا سلسلہ وہیں سے شروع ہو جاتا ہے اور وہ طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ کئی صحافیوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ اپنی غلطیوں کو سدھارنے کی کوشش کرنے کی بجائے صحافیوں کی حق گوئی کے دشمن بن جاتے ہیں اور انہیں راستے سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ کھل کر جرائم کا ارتکاب کر سکیں اور انہیں روکنے یا پوچھنے والا کوئی نہ ہو۔[12]

صحافت واقعی ایک خطرناک پیشہ ہے، اگر صداقت و دیانتداری سے کام نہ لیا جائے تو اپنے پیشے سے بے وفائی اور گناہوں کا بوجھ اپنے سر لادنا ہے اور اگر دیانتداری سے کام لیا جائے تو روزگار کے ساتھ ساتھ جان کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔ یہ خطرات دہشتگرد تنظیموں کی طرف سے تو ہوتے ہی ہیں لیکن زیادہ خطرہ بااثر افراد کی طرف سے ہوتا ہے۔ جیسے کرپٹ سیاسی شخصیات، نااہل عہدیداران، ناجائز منافع خور تاجر وغیرہ۔ یہ لوگ بھی صحافیوں کو اپنے خلاف لکھنے اور بولنے پر ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں اور موقع ملنے پر نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یوں اپنے اثر ورسوخ کا ناجائز استعمال کر کے صحافیوں کو ان کے کام سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۴۔ لالچ

جب مذکورہ بالا حربوں سے کام نہ چلے تو پھر حکومت اور دیگر بااثر افراد لالچ اور رشوت کے ذریعے صحافیوں کو خریدنے کی کوشش کرتے ہیں، اس طرح اگر صحافی ان کی لالچ میں آجائیں تو ان کی رائے ان بااثر افراد کے حق میں ہموار ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے صحافیوں کو لالچ دینے والے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل باآسانی کر لیتے ہیں۔

موجودہ دور لالچ اور خود غرضی کا دور ہے لہٰذا لوگ دولت کی لالچ میں کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہوتے ہیں خاص طور پر جن لوگوں کے پاس تھوڑی سی طاقت آجائے وہ تو اسے کمائی کا ہی ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ یہی حال صحافت کا بھی ہے کہ بااثر افراد کو معلوم ہوتا ہے کہ صحافت میں بڑی طاقت ہے اور ان سے زیادہ اس بات کو صحافی سمجھتے ہیں لہٰذا بااثر افراد اپنا کام نکالنے کے لیے صحافیوں کو لالچ دیتے ہیں اور صحافی اپنے جیب بھرنے کے لیے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے اہم فریضے کو فروخت کر دیتے ہیں۔ یہ سب سے بہترین اور پرامن جال ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا وہ اہم حربے تھے جن کے ذریعے صحافیوں کو فرائض کی بجاآوری سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جو صحافیوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور یہ

رکاوٹیں ذاتی مفادات کے تحفظ کے لیے کھڑی کی جاتی ہیں۔ اب ان پابندیوں کا تذکرہ کیا جائے گا جو ملکی و قومی مفادات کے لیے عائد کی جاتی ہیں۔

ب۔ وہ پابندیاں جو قومی مفادات کے تحفظ کے لیے عائد کی جاتی ہیں

> "حکومت، اپوزیشن، فوج ایک صفحے پر عسکری قیادت کی سیاسی قیادت کو قومی سلامتی، مقبوضہ کشمیر، افغانستان پر بریفنگ۔ منتخب افغان حکومت کا خیر مقدم، پاکستان امن کے لیے کردار جاری رکھے گا، اعلامیہ جاری، سیاسی و پارلیمانی قیادت کا افغانستان کی ترقی و خوشحالی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار۔ پارلیمانی قومی سلامتی کمیٹی اجلاس میں آرمی چیف، ڈی جی ISI، بلاول، شہباز، شاہ محمود، گیلانی، سنجرانی و دیگر شریک، شرکاء سے موبائل لے لیے گئے، ریکارڈنگ سپیکر کی موجودگی میں سیل۔"[13]

مذکورہ بالا خبر ایک نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہے کہ اس قسم کے حالات اس وقت پیش آتے ہیں جب قومی سلامتی کے اہم امور کے متعلق کوئی اجلاس ہو بالخصوص عسکری قیادت کی جس اجلاس میں نمائندگی اور شرکت ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ حساس وہ اجلاس ہوتا ہے جس میں خفیہ ایجنسیوں کے سربراہان شریک ہوں تو ایسی صورت میں اجلاس کو انتہائی خفیہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ اس اجلاس میں ملکی سلامتی کے حوالے سے کئی ایک پہلو زیر بحث آتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی بات ذرا برابر پھیل جائے تو قومی سلامتی کو کئی طرح کے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔

درج بالا خبر کے مطابق اس اجلاس میں انتہائی اعلیٰ سیاسی و عسکری قیادت نے شرکت کی، اس اجلاس میں آرمی اور خفیہ ایجنسیوں کے سربراہان کے علاوہ تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے شرکت کی لیکن ان سب کو موبائل ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں تھی اور ان سے موبائل باہر ہی لے لیے گئے تھے، اسی طرح اس اجلاس کے وقت سینٹ اور قومی اسمبلی کے ملازمین کو چھٹی دے دی گئی تھی۔ جب ان اہم شخصیات سے موبائل لے لیے گئے اور ملازمین تک کو وہاں نہیں رہنے دیا تو پھر صحافیوں کو کیسے اندر جانے کی اجازت دی جاسکتی ہے بالخصوص کیمروں اور مائیکس کے ساتھ۔ اس قسم کی پابندی کو میڈیا پر پابندی قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ مجبوری ہے اور ملکی سلامتی کا مسئلہ ہے جو انتہائی حساس مسائل میں سرفہرست ہوتا ہے۔

آئین پاکستان بھی آزادئ اظہار رائے کو قومی سلامتی کے ساتھ مشروط کرتا ہے کہ تمام شہریوں کو اظہار رائے کی ایسی آزادی حاصل ہے جو قومی سلامتی کے لیے نقصان دہ نہ ہو یا مذہبی و فرقہ ورانہ منافرت کا باعث نہ بنے۔ چنانچہ آئین کے آرٹیکل ۱۹ میں کہا گیا ہے:

اسلام کی عظمت یا پاکستان یا اس کے کسی حصہ کی سالمیت، سلامتی یا دفاع، غیر ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات، امن عامہ، تہذیب یا اخلاق کے مفاد کے پیش نظر یا توہین عدالت، کسی جرم (کے ارتکاب) یا اس کی ترغیب سے متعلق قانون کے ذریعے عائد کردہ مناسب پابندیوں کے تابع، ہر شہری کو تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق ہوگا، اور پریس کی آزادی ہوگی۔

۱۹۔ الف۔ قانون کے ذریعے عائد کردہ مناسب پابندیوں اور ضوابط کے تابع ہر شہری کو عوامی اہمیت کی حامل تمام معلومات تک رسائی کا حق حاصل ہوگا۔[14]

آئین پاکستان ہر شہری کو حق دیتا ہے کہ وہ اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کرے اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرے۔ لیکن یہ آزادی لا محدود نہیں ہے بلکہ یہ آزادی تب تک حاصل ہے جب تک یہ قانون کی حد میں رہے اور اس کے ذریعے معاشرے کا امن خراب نہ ہو یا کسی کی ذاتی زندگی پر حملہ یا کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ اسی طرح اس کی حد یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے ملکی سلامتی کو خطرہ لاحق نہ ہو یا اس کے ذریعے ملک کی بدنامی نہ ہو۔ اگر یہ عوام کو گمراہ کرنے کا سبب بنے اور معاشرے کا امن و سکون غارت ہونے کا خدشہ ہو تو اس صورت میں اس کو پابند کیا جائے گا۔[15]

اسی طرح مذہبی منافرت یا فتنہ و فساد پھیلانے والی تحریر و تقریر پر بھی پابندی عائد کی جائے گی کیونکہ یہ ملک یا ملک کے کسی خاص علاقے کے امن و امان کو خراب کرنے کا سبب بنتی ہے اور اس کے ذریعے عوام میں اختلاف و انتشار پھیلتا ہے جو معاشرے کی سالمیت کے لیے زہر قاتل ہے۔ لہٰذا صحافت کو تب تک آزادی دی جائے گی جب تک وہ کسی کی ذات یا عقیدے کے خلاف بات کر کے اس کے جذبات ابھارنے کا سبب نہ بنے۔ اس کے علاوہ اخبارات کو آزادی حاصل ہے کہ وہ قانون کی حدود میں رہتے ہوئے جو کچھ چاہے شائع کر سکتے ہیں۔[16]

آئین پاکستان اور اخلاقی ذمہ داریوں کے مطابق صحافیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ آزادی کی حدود کا خیال رکھتے ہوئے ملکی سلامتی کا تحفظ یقینی بنائیں۔ کیونکہ جب قومی سلامتی داؤ پر لگنے یا ملک میں انتشار پھیلنے کا خطرہ ہوگا تو پھر صحافت کو پابند کیا جائے گا کہ وہ یہاں سے تجاوز نہ کرے اور ملکی مفادات کا خیال رکھتے ہوئے اور آئین کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض کی انجام دہی کرے۔

2۔ صحافتی پابندیاں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

ذیل میں شریعت کی روشنی میں صحافیوں کو ان کے فرائض سے روکنے کے حوالے سے حکومت اور اداروں کے کردار کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

شریعت میں آزادیٔ اظہار رائے کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے اور اسلام نے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی ہے۔ نیک نیتی سے اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرنے کو ضروری سمجھا گیا ہے اور حکمرانوں کی اصلاح کی کوشش کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ حکمرانوں کی غلطیوں پر انہیں متنبہ کرنے کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی گئی ہے بلکہ اس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ بہت سی قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ میں حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے اور ان کی غلطیوں پر انہیں متنبہ کرنے اور انہیں خوف خدا دلانے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

﴿وَإِذْ نَادَى رَبُّكَ مُوسَى أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ O قَوْمَ فِرْعَوْنَ أَلَا يَتَّقُونَO﴾[17]

اور اس وقت کا حال سنو جب تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو آواز دے کر کہا تھا کہ: "اس ظالم قوم کے پاس جاؤ، یعنی فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا ان کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے؟"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں اسے اللہ رب العزت کا تعارف کرایا اور اس کی باتوں کی پرواہ کیے بغیر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے دربار میں حق گوئی کی جو ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ انہوں نے بلاخوف وخطر پوری کی۔ فرعون انتہائی ظالم اور سفاک بادشاہ تھا اور وہ خدائی کا دعویدار بھی تھا جس کے اس جھوٹے دعوے کو قرآن کریم میں ایسے بیان کیا گیا ہے:

﴿فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ ٱلْأَعْلَىٰO﴾[18]

(فرعون نے) کہا کہ میں تمہارا اعلیٰ درجے کا رب ہوں۔

جس بادشاہ نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو اس کے غرور و تکبر کا کیا عالم ہو گا۔ اس زمانے کے بادشاہ بھی نہایت طاقتور ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ کے منہ سے نکلا ہر لفظ حکم کا درجہ رکھتا تھا اور وہی حرف آخر بھی سمجھا جاتا تھا۔ جسے کوئی پوچھنے اور روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ ایسے بادشاہ کے سامنے اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرنا، اس کے دعوؤں کو غلط قرار دے کر تنبیہ کرنا یقیناً نہایت مشکل اور حوصلہ مندی والا کام ہے۔

جب فرعون بہت زیادہ بے لگام ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی کوتاہیوں کی نشاندہی کی اور بتایا کہ تو رب نہیں ہے بلکہ رب تو وہ ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کسی بھی طرح مرعوب ہوئے بغیر حق بات کہہ دی۔ یہی رب ذوالجلال کا حکم اور منشا تھی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے نمرود کی طرف دعوت حق کے لیے بھیجا۔ نمرود بھی ایک ظالم بادشاہ تھا اور خود کو خدائی صفات میں شریک قرار دیتا تھا۔ یہ انتہائی طاقتور بادشاہ تھا جس نے ایک عرصہ دراز تک حکومت کی۔ اس کی حکومت پوری دنیا پر تھی جس کی وجہ سے اس پر غرور و تکبر کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔

جس بادشاہ کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا گیا یعنی نمرود وہ طویل عرصہ سے حکمران چلا آرہا تھا جس کی وجہ سے تکبر اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور سرکشی میں بپھرا رہتا تھا۔ اس کی حکومت تقریباً چار سو سال سے چلی آرہی تھی۔[19]

جس بادشاہ کی اتنی وسیع اور طویل المیعاد سلطنت ہو اس کی ظاہری طاقت اور دنیاوی اثر و رسوخ کا کیا عالم ہو گا۔ اس کے سامنے تو کوئی دم نہیں مار سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے بھی دین حق کی طرف دعوت دی اور اس کے جھوٹے خدائی کے دعوے کو رد کر کے اس کے ساتھ مناظرہ کیا اور اسے لاجواب کر دیا۔ اس مناظرے کو اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ O﴾[20]

تم نے اس شخص (کے حال) پر غور کیا جس کو اللہ نے سلطنت کیا دے دی تھی کہ وہ اپنے پروردگار (کے وجود ہی) کے بارے میں ابراہیم سے بحث کرنے لگا؟ جب ابراہیم نے کہا کہ: "میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی" تو وہ کہنے لگا کہ: "میں بھی زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: "اچھا! اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تم ذرا اسے مغرب سے تو نکال کر لاؤ۔" اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ایسے ظالم اور بدترین مشرک کے سامنے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ حق کہا جبکہ انہیں اپنی جان کا بھی خطرہ تھا لیکن انہیں اللہ تعالیٰ نے ظالم بادشاہ کی خامیوں پر تنقید کرنے اور اسے راہ راست پر لانے کا کام سونپا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بخوبی انجام دیا۔

احادیث مبارکہ میں بھی حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے کی تاکید کی گئی ہے، خاص طور پر ظالم حکمرانوں کو راہ راست پر لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔[21]

ظالم بادشاہ کے سامنے حق کہنا سب سے بہتر جہاد ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کو سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ بادشاہ کے ساتھ ظالم کا اضافہ بھی اس لیے فرمایا کہ کوئی رحم دل بادشاہ ہو تو اس کے سامنے تو کوئی بھی حق بات کہہ سکتا ہے لیکن یہ کلمہ حق اس وقت جہاد بن جاتا ہے جب مد مقابل ظالم بادشاہ ہو۔ جس کے پاس طاقت اور اختیار بھی ہو اور وہ کسی کا پاس ولحاظ بھی نہ کرتا ہو۔ جہاد میں تو بچ جانے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں لیکن ظالم بادشاہ کے دربار میں اس کے سامنے حق بات کہنے کے بعد بچنے کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔[22]

اس کے علاوہ بھی قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں حکمرانوں اور معاشرے کے افراد کو برائیوں سے روکنے اور انہیں راہ راست پر لانے کے لیے کوشش کرنے تلقین کی گئی ہے۔

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، قَالَ أَوَّلُ مَنْ قَدَّمَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلاَةِ مَرْوَانُ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لِمَرْوَانَ خَالَفْتَ السُّنَّةَ . فَقَالَ يَا فُلاَنُ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ . فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ " مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُنْكِرْهُ بِيَدِهِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ ۔[23]

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ سب سے پہلے (عید کے دن) خطبہ کو صلاۃ پر مقدم کرنے والے مروان تھے، ایک آدمی نے کھڑے ہو کر مروان سے کہا: آپ نے سنت کے خلاف کیا ہے، مروان نے کہا: اے فلاں! چھوڑ دی گئی وہ سنت جسے تم ڈھونڈتے ہو، تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے اپنا فرض پورا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: "جو شخص کوئی برائی دیکھے تو چاہیئے کہ اس برائی کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، جسے اتنی طاقت نہ ہو وہ اپنی زبان سے اسے بدل دے اور جسے اس کی طاقت بھی نہ ہو وہ اپنے دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔"

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: پہلی یہ کہ صحابہ کرامؓ بادشاہوں کے سامنے حق بات کہا کرتے تھے، چاہے بادشاہ کتنا ہی ظالم اور فاسق کیوں نہ ہو۔ جب بھی وہ سنت کے خلاف کوئی عمل کرتے تو انہیں فوراً ٹوکتے

تھے اور فوراً اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے چاہے انہیں وہاں آزادیٔ رائے حاصل ہو یا نہیں۔ وہ کسی بادشاہ سے خائف نہیں ہوتے تھے بلکہ انجام کی پرواہ کیے بغیر حق بات کہہ دیتے تھے۔

دوسری یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے (برائی کسی بھی طرح کی اور کسی بھی سطح پر ہو سکتی ہے، گھر سے لے کر قومی اسمبلی تک) اگر اس کے پاس طاقت و قوت ہو یا وہ صاحب اختیار ہو تو اسے چاہیے کہ وہ آگے بڑھ کر اسے روکے۔ اگر اتنی قوت نہیں ہے تو پھر وہ زبان سے روکے یعنی انہیں منع کرے اور اگر اتنا بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم اسے برا تو سمجھے، نہ کہ خود بھی شریک جرم بن بیٹھے۔

صحافیوں کے پاس جو اختیار ہے یا ان کی ذمہ داری ہے وہ دوسرے درجے کی ہے کہ اہل حق صحافی زبان یا قلم کے ذریعے معاشرے سے برائیوں کے خاتمے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ حکومت اور معاشرے کی برائیوں کی نشاندہی کر کے اس کا متبادل بھی تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں اس اہم ترین کام سے روکنا حدیث پر عمل سے روکنے کے مترادف ہے۔

اظہار رائے کی آزادی فراہم کرنے سے معاشرے کے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں اور معاشرے کے قابل افراد کی آراء سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ حکومت اور سرکاری اداروں میں براجمان افسران قابل اور محنتی ہوں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عوام میں بہت سے اہل افراد ہوتے ہیں جن کی نظر معاشرے کے تمام مسائل پر ہوتی ہے اور وہ انہیں حل کرنے کے لیے بہترین رائے، خیالات و تصورات رکھتے ہیں۔ اظہار رائے کی آزادی کے ذریعے معاشرے کے تعلیم یافتہ افراد کے علوم و فنون اور ان کے تجربات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ آزادی کے ساتھ تحریر و تقریر کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور معاشرے کے مسائل اور خرابیوں کی نشاندہی کر کے ان کے مضمرات اور ان کے حل یا متبادل کے بارے میں آگاہ کر سکتے ہیں۔ یہ تمام تر میڈیا کے ذریعے ہی ممکن ہے اگر میڈیا آزاد ہو گا تو اس کے ذریعے یہ مثبت اور سود مند آراء معاشرے تک پہنچائی جا سکیں گی اور اگر میڈیا پر قدغن (سینسر) ہو گا تو معاشرے کے ان قابل افراد سے استفادہ ناممکن ہو جائے گا جس کا نقصان بدیہی ہے۔

اسلام نے بھی آزادیٔ اظہار رائے اور حکمرانوں کے سامنے آزادی سے بولنے، ان پر تنقید کرنے اور ان کی اصلاح پر بہت زور دیا ہے۔ ابتداء اسلام میں آزادی اظہار رائے اور حکمرانوں کی اصلاح کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ غزوہ بدر اسلام کا پہلا معرکہ ہے جو قریش مکہ اور مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں کے درمیان ہوا۔

جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں نے انتہائی مستعدی اور جواں مردی سے کفار کا مقابلہ کیا۔ دونوں لشکروں میں سخت معرکہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور کفار کو شکست ہوئی۔

اس جنگ میں ستر کافر مارے گئے اتنے ہی گرفتار بھی ہوئے۔ جب کفار کو قیدی بنا کر لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان قیدیوں کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے مشورہ دیا کہ یہ لوگ ہمارے ہی بھائی اور رشتہ دار ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں اس کا یہ فائدہ ہو گا کہ وہ مال کفار کے خلاف ہمارے کام آئے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دیں تو یہ ہماری قوت میں اضافے کا سبب بنیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے ان کی رائے پوچھی تو انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میری رائے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے سے مختلف ہے، میری رائے یہ ہے کہ سب اپنے اپنے رشتہ داروں کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کریں۔ آپ نے ایک شخص کا نام لے کر فرمایا کہ اسے میرے حوالے کریں میں اس کی خود گردن اڑاؤں گا اسی طرح علی عقیل کو قتل کریں، حمزہ کو فلاں رشتہ دار پر غلبہ دیں تا کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کریں۔ تا کہ اللہ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے کوئی نرمی کا پہلو نہیں ہے، یہ لوگ مشرکین کے سردار، ان کے قائد اور ان کے سرغنہ ہیں، جب یہ قتل ہو جائیں گے تو مشرکین کے حوصلے پست ہو جائیں گے یوں کفر و شرک خود بخود ختم ہو جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے کو تسلیم کر دیا اور حضرت عمرؓ کی رائے چھوڑ دی۔ یوں کفار کو فدیہ لے کر آزاد کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ دوسرے دن حضرت عمرؓ مسجد میں پہنچے تو نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو روتے ہوئے دیکھا تو آپ نے حال دریافت کیا اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے جو فدیہ لینے کا فیصلہ کیا تھا اس کی وجہ سے سب پر عذاب آنے والا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مال غنیمت کو حلال قرار دے دیا۔

اگلے برس فدیہ لینے کی وجہ سے غزوۂ احد میں مسلمانوں کا بھاری نقصان ہوا اور ستر مسلمان شہید ہوئے خود نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور بدن اطہر پر اور بھی زخم آئے۔ صحابہ کرام منتشر ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ بدر میں فدیہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ نقصان پہنچا۔[24]

ایک واقعہ کتب احادیث میں مذکور ہے جس میں صحابی رسول حضرت ذوالیدینؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک بھول سے آگاہ فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تائید کرتے ہوئے اس کا ازالہ فرمایا چنانچہ وہ واقعہ صحیح مسلم کی ایک رویت میں یوں مذکور ہے:

عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ عَمْرٌو: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ، إِمَّا الظُّهْرَ، وَإِمَّا الْعَصْرَ، فَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَتَى جِذْعًا فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَاسْتَنَدَ إِلَيْهَا مُغْضَبًا، وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَهَابَا أَنْ يَتَكَلَّمَا، وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ، قُصِرَتِ الصَّلَاةُ، فَقَامَ ذُو الْيَدَيْنِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ؟ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِينًا وَشِمَالًا، فَقَالَ: «مَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ؟» قَالُوا: صَدَقَ، لَمْ تُصَلِّ إِلَّا رَكْعَتَيْنِ، «فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَفَعَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ»، قَالَ: وَأُخْبِرْتُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ قَالَ: وَسَلَّمَ.[25]

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دوپہر کے بعد کی ایک نماز ظہر یا عصر پڑھائی اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا، پھر قبلے کی سمت کھجور کے ایک تنے کے پاس آئے اور غصے کی کیفیت میں اس سے ٹیک لگالی۔ لوگوں میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے، انھوں نے آپ کی ہیبت کی بنا پر گفتگو نہ کی جبکہ جلد باز لوگ نکل گئے، اور کہنے لگے: نماز میں کمی ہو گئی ہے ۔ تو حضرت ذوالیدین کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا نماز مختصر کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے دائیں اور بائیں دیکھ کر پوچھا: ”ذوالیدین کیا کہہ رہا ہے؟“ لوگوں نے کہا: سچ کہہ رہا ہے، آپ نے دو رکعتیں ہی پڑھی ہیں۔ چنانچہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا، پھر اللہ اکبر کہا اور سجدہ کیا، پھر اللہ اکبر کہا اور سر اٹھایا، پھر اللہ اکبر کہا اور سجدہ کیا، پھر اللہ اکبر کہا اور سر اٹھایا۔ (محمد بن سیرین نے) کہا: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مجھے بتایا گیا کہ انھوں نے کہا: اور سلام پھیرا۔

غزوہ احد میں بھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے مشاورت کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا، بزرگ صحابہ کرام کے علاوہ نوجوانوں نے بھی رائے پیش کی بلکہ انہوں نے تو شوق شہادت کی وجہ سے بزرگوں کی مخالفت میں رائے دی چنانچہ اسی رائے کو قبول کر لیا گیا اگرچہ رسول اللہ ﷺ خود بھی اس رائے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اس مشاورت کا احوال کچھ یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمایا تو عبداللہ بن ابی سلول نے کہا کہ آپ ﷺ مدینہ میں ہی رہیں اور باہر نہ نکلیں، اکابر مہاجرین و انصار نے بھی یہی رائے دی کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہی دفاع کیا جائے اور باہر نہ نکلا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں رہنے کا فیصلہ کر لیا مگر چند نوجوان صحابہ کرام جو جنگ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے، انہوں نے دشمن کی طرف نکلنے کی خواہش کا اظہار کیا، رفتہ رفتہ وہ لوگ غالب آگئے جو مدینہ سے باہر نکلنے کے خواہش مند تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز کے بعد مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک وہ صبر کریں گے ان کی مدد ہو گی۔ پھر انہیں دشمن کے مقابلے کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ عصر کی نماز کے بعد سب لوگ جمع ہوئے تو رسول اللہ ﷺ اپنے مکان میں چلے گئے، حضرت ابو بکر و عمرؓ نے آپ کے عمامہ باندھا آپ نے جنگی لباس زیب تن فرمایا اور لوگوں میں تشریف لائے۔

سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر نے کہا تم نے باہر نکلنے کی خواہش کا اس قدر اظہار کیا ہے حالانکہ جو مناسب امر ہوتا ہے وہ اللہ رب العزت کی طرف سے نبی کریم ﷺ پر نازل ہو جاتا ہے اس لیے تم لوگ معاملہ اللہ کے رسول ﷺ کے سپرد ہی کر دو۔

لوگ ان کی بات سن کر نادم ہو گئے انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ حق حاصل نہیں تھا کہ ہم آپ ﷺ کی مخالفت کریں لہٰذا جو آپ بہتر سمجھیں وہی کریں۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کے لیے مناسب نہیں ہوتا کہ وہ زرہ پہننے کے بعد اسے اتار دے یہاں تک کہ اللہ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ اب اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔ جب تک تم صبر کرو گے تمہاری مدد اور نصرت کی جائے گی۔[26]

غزوہ خندق کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ جسے قبول کر کے اس پر بہت جانفشانی سے عمل کیا گیا اور پوری جنگ اور جنگ کا نقشہ اسی خندق پر منحصر رہا جس میں اہل اسلام کو کامیابی ہوئی۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو اس بات کی خبر پہنچی کہ کفار مکہ سے مدینہ پر حملہ کے لیے روانہ ہو گئے ہیں تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بلا کر ان سے مشورہ طلب کیا کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے تو حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ یہ رائے مسلمانوں کو پسند آئی۔

رسول اللہ ﷺ نے کوہ سلع کے میدان میں خندق کھودنے کا ارادہ فرمایا اور عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ نے شہر کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کو جماعتوں میں تقسیم فرما کر خندق کے مختلف حصے کھودنے کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس خندق کی کھدائی میں مصروف ہو گئے اور مسلمان کوشش کرنے لگے کہ جلدی جلدی کام ختم کیا جائے تاکہ دشمن کے آنے سے پہلے خندق

مکمل طور پر تیار ہو جائے۔ یوں دشمن کے آنے سے پہلے ہی خندق کی کھودائی کا کام مکمل ہو چکا تھا اور دشمن خندق پار کر کے شہر میں داخل نہ ہو سکے اور وہیں ایک ماہ تک پڑاوڈال کر واپس چلے گئے۔[27]

خلفاء راشدینؓ کے دور مبارک میں بھی عوام الناس کو آزادی اظہار رائے اور حکمرانوں کی اصلاح کی کھلی اجازت رہی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب منصب خلافت سنبھالا تو انہوں نے ایک خطبہ دیا جس میں آپؓ نے حکمرانوں کے لیے انتہائی اعلیٰ مثال قائم کی اور خود کو سب سے اعلیٰ و برتر خیال کرنے کی بجائے عوام کو اپنی اصلاح اور تنقید کی تلقین کی۔ اس خطبے میں آپ نے فرمایا:

یاد رہے کہ اللہ نے محمد ﷺ کو تمام اہل عالم کے لیے انتخاب کیا تھا' اسی لیے اس نے ان کو آفات سے محفوظ رکھا' میں صرف پیرو ہوں ہادی نہیں اگر میں راہ راست پر گامزن رہوں تم میری اتباع کرنا اگر بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اس امامت میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کا ذرا سا بھی حق ان کے ذمے باقی ہو' سن لو کہ میرا شیطان مجھے اغوا کرتا ہے ایسی صورت میں اگر میں اس کے اغواء میں آجاؤں تم مجھ سے علیحدہ ہو جانا اس وقت میرا تم پر کوئی حق نہ رہے گا۔[28]

حضرت عمر فاروقؓ نے بھی عوام الناس کو اپنی اصلاح اور آزادی اظہار رائے کی مکمل اجازت دے رکھی تھی۔ حضرت عمرؓ لوگوں کو خود اس بات کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ ان کی اصلاح کریں۔

سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: مجھے سب سے زیادہ وہ پسند ہے جو میرے عیوب میرے سامنے بیان کر دے۔[29]

حضرت عمرؓ اپنی ذات کے متعلق بہت حساس تھے اور عام مسلمانوں کے مساوی رہتے تھے۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ جب بھی چاہے آزادی کے ساتھ انہیں ٹوکے اور ان کی غلطیوں پر ان کی اصلاح کرے۔ کئی بار لوگ بلاوجہ غلط فہمی میں بھی بھری مجلس میں آپؓ پر اعتراض کرتے لیکن آپ برا ماننے کی بجائے نہایت احترام سے ان کے اعتراض کا جواب دیتے۔ اسی طرح جن حضرات کو آپؓ مختلف علاقوں کے عمال یا گورنر بنا کر بھیجتے تھے انہیں بھی عوام کے ساتھ عدل و انصاف کی تلقین کرتے اور سخت ہدایات دیتے، ان ہدایات پر سختی سے عمل بھی کراتے۔ رعایا میں سے ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ کسی بھی وقت کسی بھی حاکم کے خلاف بلاخوف و جھجک شکایت کر سکتا تھا۔ آپ عوام میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی شکایت پر بھی بڑے جلیل القدر صحابہ کی سرزنش کرتے تھے۔ اس کی کئی ایک مثالیں تاریخ کی مستند کتب میں موجود ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مصر پر کسی کو حاکم مقرر فرمایا۔ ایک دن حضرت عمرؓ مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ کسی نے آواز دی۔ اے عمر! اللہ سے ڈرو، تم نے ایک خیانت کرنے والے شخص کو حاکم مقرر کر دیا ہے اور خود کو بری الذمہ بھی سمجھتے ہو جبکہ تمہارا مقرر کردہ حاکم ایسے کاموں میں ملوث ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس حاکم کو طلب کر لیا جب وہ حاضر خدمت ہوا تو آپ نے اسے ایک عصا، ایک جبہ اور چند بکریاں دے کر فرمایا کہ تم بکریاں چراؤ، اس لیے کہ تمہارا باپ چرواہا تھا۔ پھر آپ نے اس کے سامنے واقعہ بیان فرمایا تو اس نے معذرت کر لی تو آپ نے اسے عہدے پر برقرار رکھا اور یہ نصیحت فرمائی کہ وہ باریک لباس زیب تن نہ کرے اور کسی عمدہ سواری پر سوار نہ ہو۔[30]

فقہاء کرام میں امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے نہ صرف آزادی اظہار رائے کی حمایت کی بلکہ انہوں نے عملی طور پر اس کا مظاہرہ کیا اور عملاً ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہا جس کی خاطر انہیں کافی تکالیف دی گئیں مگر انہوں نے حکمرانوں کے غلط فیصلوں کے سامنے سر نہیں جھکایا بلکہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

امام ابو حنیفہؒ کے دور میں سیاسی صورتحال کافی ابتر تھی، حکمران خود غرض اور بے دین ہونے کی وجہ سے عوام میں غیر مقبول تھے، ان کے برعکس امام صاحبؒ اپنے علم، عمل اور تقویٰ کی وجہ سے عوام میں ہر دل عزیز تھے، ان کی یہ مقبولیت حکمرانوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی بالخصوص آپؒ کی بے باکی اور حکمرانوں کے غلط افکار پر تنقید کی وجہ سے حکمران آپؒ سے نالاں رہتے تھے جس کی وجہ سے وہ آپؒ کو طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن آپؒ ان کی تمام آزمائشوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا مگر کبھی اپنے مؤقف سے پیچھے نہیں ہٹے۔

امام ابو حنیفہؒ کے دور کے حکمران چونکہ عوام میں اپنی مقبولیت کھو چکے تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ امام صاحبؒ عوام میں کافی اثر ورسوخ رکھتے ہیں اس لیے انہوں نے آپؒ کو اپنے ساتھ ملا کر آپ کے ذریعے عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کبھی انہوں نے آپؒ کو سرکاری مہر اپنے پاس رکھنے کی دعوت دی اور کبھی مختلف عہدے قضاوغیرہ کے قبول کرنے پر زور دیا لیکن آپؒ نے حکومت کے کسی بھی منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں آپؒ کو بہت سی تکالیف پہنچائی گئیں اور جیل کی صعوبتیں بھی اٹھانی پڑیں۔ امام صاحبؒ آزادی اظہار رائے کے بہت قائل تھے اور ساری زندگی اس پر عمل پیرا بھی رہے جس کی وجہ سے حکمران آپؒ سے نالاں رہتے تھے، اسی پاداش میں آپؒ کو کوڑے بھی مارے گئے۔

خلیفہ منصور نے امام ابو حنیفہؒ پر بہت زور دیا کہ کم از کم وہ اس کے ہدیے ہی قبول کر لیں لیکن امام صاحبؒ اس سے ہدیہ بھی نہیں لیتے تھے۔ ایک مرتبہ اس نے اعتراض کیا کہ آپ میرے ہدیے کیوں نہیں قبول کرتے تو آپؒ نے جواب دیا کہ آپ نے مجھے اپنے مال میں سے ہدیہ دیا ہی کب ہے جو میں اسے قبول کرتا، اگر اپنے مال میں سے دیتے تو میں ضرور قبول کرتا۔ آپ تو مسلمانوں کے بیت المال میں سے دیتے ہیں جس پر میرا کوئی حق نہیں۔

آپؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے مال میں سے تو ان لوگوں کا حق ہے جو ان کا دفاع کرنے والے یعنی سپاہی ہوں یا ان کے بچے ہوں یا فقیر ہوں۔ میں نہ تو کوئی سپاہی ہوں نہ ہی ان کے بچوں میں سے ہوں اور نہ ہی فقیر ہوں جو ان کے مال پر میرا کوئی حق ہو۔

خلیفہ منصور نے آپؒ کو عہدہ قضا قبول کرنے سے انکار پر تیس کوڑے مارے جن سے آپؒ کا بدن کافی زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا تو خلیفہ کے چچا عبد الصمد بن علی نے کہا کہ تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ یہ تو عراق ہی نہیں تمام اہل مشرق کے فقیہ ہیں، تم نے ایسا کام کر کے ایک لاکھ تلواریں اپنے خلاف کھنچوا لی ہیں۔

خلیفہ کو جب غلطی کا احساس ہوا تو اس نے بطور ہدیہ تیس ہزار دراہم آپؒ کی خدمت میں بھجوائے تو آپ نے قبول نہ کیے اور واپس کر دیے۔ کسی نے کہا کہ آپ لے کر صدقہ کر دیں۔ اس پر آپؒ نے جواب دیا کہ کیا ان کے پاس کوئی حلال مال ہے جسے قبول کر کے صدقہ کیا جائے۔

امام ابو حنیفہؒ حکمرانوں کے حرام مال اور جائیداد سے اس قدر دور رہتے تھے کہ جب تکالیف اور مصائب برداشت کرتے کرتے آپ کا آخری وقت آن پہنچا تو آپؒ نے وصیت فرمائی کہ مجھے بغداد کے فلاں حصے میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ منصور نے اس حصے کو بسانے کے لیے لوگوں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کیا تھا۔ منصور نے وصیت کے بارے میں سنا تو بے ساختہ پکار اٹھا، ابو حنیفہ! مجھے تیری پکڑ سے زندگی اور موت میں کون بچائے۔[31]

امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اپنے وقت کے ظالم اور حکمرانوں کے سامنے اظہار حق کیا اور ان کے باطل عقائد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کے بے پناہ ظلم وستم برداشت کیے مگر کبھی ان کے باطل عقائد کی توثیق نہ کی۔ آپؒ نے بھی اظہار رائے کا حق استعمال کیا اور حکمرانوں کے سامنے اپنے عقائد کا برملا اظہار کرتے رہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے دور میں ایک فتنہ اٹھا کہ قرآن اللہ کی طرح قدیم نہیں بلکہ مخلوق اور حادث ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ اور تمام اہلسنت کا یہ عقیدہ تھا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ کی طرح قدیم ہے۔ خلیفہ مامون الرشید بھی حدوث قرآن والے باطل عقیدے کا قائل ہو گیا اور چاہا کہ تمام مسلمان یہی عقیدہ اختیار کریں

لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اس نے بارہا آپؒ کو دربار میں بلا کر بحث و مباحثہ کیا اور ان سے یہ کہلانا چاہا کہ قرآن مخلوق اور حادث ہے لیکن آپؒ نے ہر بار صرف یہی کہا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

مامون الرشید نے آپؒ کو جیل میں ڈال دیا اور اس کی وصیت کے مطابق اس بعد آنے والے خلیفہ معتصم نے بھی آپؒ پر ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رکھا اور آپؒ کو اس عقیدہ کی بنا پر کوڑے بھی لگوائے مگر آپؒ اس عقیدہ کا برملا اظہار کرتے رہے۔ بلآخر آپؒ کو رہا کر دیا گیا۔[32]

دور جدید کے فقہاء کرام بھی آزادی اظہار رائے کے قائل ہیں اور دوسروں کو تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ بہت سے علماء کرام خود بھی صحافت سے وابستہ ہیں اور پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دیتے ہوئے عوام کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

اسلام سے قبل کسی بھی مذہب یا ریاست نے اس قدر اظہار رائے کی آزادی نہیں دی تھی جتنی کہ اسلام نے دی ہے۔ اسلام سے قبل مذاہب میں تو امتیوں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی اس تاکید کے ساتھ عائد نہیں تھا لیکن اس امت کو اللہ رب العزت نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو اہم فریضہ سونپا ہے اس کا تو یہی تقاضا ہے کہ افراد کو اظہار رائے کی مکمل آزادی حاصل ہو۔[33]

قرآن کریم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں ایک جدا اور بلند تصور پیش کیا ہے۔ قرآن نے اسے حق ہی نہیں بلکہ انسانوں کا فریضہ قرار دیا ہے۔ یعنی قرآن و حدیث کی رو سے نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا انسانوں پر فرض ہے۔ اگر لوگ برائیوں کو دیکھتے ہوئے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کرتے اور اچھائیوں کا حکم نہیں دیتے تو وہ گناہ گار ہوتے ہیں۔ کیونکہ معاشرے کی پاکیزگی کے لیے ضروری ہے کہ اس فریضے کو جاری و ساری رکھا جائے جس کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو تحریر و تقریر کی آزادی دی جائے۔[34]

مذکورہ بالا مثالیں اسلام کے ابتدائی دور کی چند مثالیں تھیں، اس کے علاوہ بھی اس سنہری دور کی لاتعداد مثالیں تاریخ کے صفحات پر بکھری ہوئی ہیں۔ یہی وہ دور تھا جس میں ہمارے دین کی بنیاد رکھی گئی اور دین مضبوط ہوا۔ اس دور کے واقعات ہمارے لیے قابل تقلید ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی اتباع ہی ہمارے لیے کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ ایک اسلامی ریاست ہونے کے ناطے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس دور کے قوانین کو اپنائیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز پر اپنا ریاستی نظام استوار کریں۔ نظام حکومت میں ان کی مکمل اتباع کریں تاکہ پاکستان کے قیام کا حقیقی مقصد حاصل ہو۔

اگر ہم آزادی اظہار رائے اور حکمرانوں پر تنقید کے پہلو کو دیکھیں تو اس دور میں ہر ایک کو اپنی رائے دینے کی مکمل آزادی حاصل تھی یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی صحابہ کرام اپنی آراء سے آگاہ کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ ان کی رائے پر غور و غوض کے بعد اکثر عمل بھی فرماتے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ حکمران تھے بلکہ اللہ کے رسول بھی تھے جنہیں وحی کے ذریعے آگاہ کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ہر ایک کو رسول اکرم ﷺ کو رائے دینے کی اجازت ہونا اور آپ ﷺ کو بھول پر بھی مطلع کرنا (جیسے نماز میں چار کی بجائے دو رکعات پڑھا دیں تو صحابی کا اس پر اپنی تشویش کا برملا اظہار کرنا) یہ آزادی اظہار رائے کی بہترین مثالیں ہیں۔ غزوہ خندق کے موقع پر فقط حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے خندق کھودنے کا ایک مشکل ترین فیصلہ کیا اور پوری کی پوری جنگ اس خندق پر منحصر رہی جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ ہی پلٹ گیا۔

پھر خلفاء راشدینؓ کے مبارک ادوار میں بھی اظہار رائے کی آزادی اور حکمرانوں کی اصلاح اور ان پر تنقید کی بہترین مثالیں مستند کتب تاریخ کے اوراق پر موجود ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ دونوں حضرات خود عوام کو اپنی اصلاح کی ترغیب دیتے تھے اور عوام کی طرف سے تنقید اور ان کی غلطیوں پر مطلع کرنے پر وہ ناراضی کی بجائے خوشی کا اظہار فرماتے اور اگر واقعی غلطی ہوئی ہوتی تو اس کی اصلاح کرتے اور اگر تنقید کرنے والے کو غلط فہمی ہوتی تو اس کی غلط فہمی کو نہایت احسن انداز سے دور فرماتے۔

3- خاتمہ اور سفارشات

ان سب حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست کے حکمرانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عوام پر پابندی لگا دیں کہ وہ ان کے کسی فعل پر تنقید کریں یا ان کی غلطیوں سے انہیں آگاہ نہ کریں۔ عوام پر حکمرانوں کی اصلاح پر پابندی ہو اور اگر کوئی شخص حکمرانوں کی اصلاح کی کوشش کرے تو حکمران بجائے خوشی کے اس پر ناراض ہونے لگیں اور اسے مختلف قسم کی تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ اس طرح تو حکمران بادشاہ بن بیٹھیں گے اور بادشاہت اور ملوکیت کو تو اسلام نے ناپسند کیا ہے۔ اسلام خلافت کو پسند کرتا ہے جس میں شورائی نظام ہو، اس میں تمام ریاستی امور مشورہ سے طے پاتے ہیں اور عوام کو ان کے فیصلوں پر تنقید کا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔

آج بہت سی اسلامی ریاستوں میں آزادی اظہار رائے پر پابندی ہے۔ میڈیا پر سینسر ہے کیونکہ آج کے دور میں ہر شخص کے لیے براہ راست حکمرانوں سے ملاقات کرنا اور ان کی اصلاح کرنا ممکن نہیں ہے، حکمران سخت سیکیورٹی کے حصار میں رہتے ہیں اس لیے عام آدمی ان تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکتا اس لیے اسے میڈیا کا سہارا لینا پڑتا

ہے۔یوں میڈیا ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی بدولت اپنی آواز حکمرانوں تک پہنچائی جاسکتی ہے یا حکمرانوں کی اصلاح اور ان کی غلط اور ناقص پالیسیوں پر تنقید ممکن ہے۔یہی وجہ ہے کہ آزادی اظہار رائے کو دبانے کے لیے میڈیا پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ جن ریاستوں میں میڈیا پر پابندیاں ہیں وہاں کے حکمران بادشاہت اور ملوکیت قائم کیے ہوئے ہیں اور اپنی مرضی سے تمام فیصلے ملک پر مسلط کرتے ہیں اور وہاں کے عوام اور علماء تک ان پر تنقید نہیں کرسکتے ۔ ان کے باصلاحیت افراد بیرون ممالک میں اپنی صلاحیتوں کو آزماتے ہیں اور دیگر ممالک جن میں اکثر غیر مسلم ممالک ہیں وہ ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

لہٰذا آزادی اظہار رائے اور حکمرانوں کا خود پر تنقید کو روکنے کے لیے میڈیا پر پابندیاں عائد کرنا غیر شرعی اور غیر اسلامی فعل ہے جس کی تاریخ اسلام کے سنہری دور اور خیر القرون میں مثال نہیں ملتی یہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ اگر صحافی معتدل ہوں اور ان کی تنقید کا مقصد فقط اصلاح ہو تو ان پر پابندیاں لگانا جائز نہیں ہے بلکہ ان کی اصلاح و تنقید سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریاست کے نظم ونسق کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

سفارشات

1. صحافت کی آزادی معاشرے کی بہتری کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ صحافی ہی معاشرے کے غلط افعال کی نشاندہی کرتے ہیں اور انہیں ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اسی طرح وہ حکومت اور دیگر اہم اداروں کی کارکردگی پر بھی نظر رکھتے اور انہیں درست سمت میں چلانے کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔یوں صحافت کے ذریعے معاشرے کا نظام درست سمت چلانے کا بہترین کام لیا جاسکتا ہے۔
2. اس لیے ضروری ہے کہ اس شعبے میں مزید بہتری لائی جائے اور اسے معاشرے کے لیے مزید کارآمد بنایا جائے۔ شعبۂ صحافت کی بہتری کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

1. صحافیوں کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت کو خصوصی اقدامات کرنے چاہئیں تاکہ وہ معاشی طور پر آسودہ ہوں اور یکسوئی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔
2. آزادئ صحافت کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اس مقصد کے لیے قائم کیے گئے اداروں میں اصلاحات کی جائیں اور انہیں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے متحرک کیا جائے۔
3. صحافیوں کی شکایات سننے کے لیے اداروں میں خصوصی عدالتیں قائم کی جائیں۔
4. صحافیوں کو جان ومال کا تحفظ فراہم کرنے کے لیے خصوصی اقدامات کیے جائیں۔

5. شعبۂ صحافت میں کام کرنے کے خواہشمند صحافیوں کے لیے اہلیت کا ایک معیار مقرر کیا جائے۔ جس پر پورا اترنے والوں کو ہی کام کرنے کی اجازت دی جائے۔
6. صحافیوں کی تربیت کے لیے سرکاری سطح پر ورکشاپس کا انتظام کیا جائے۔
7. جھوٹی افواہیں پھیلانے اور بے اصل خبریں نشر کرنے والے صحافیوں کو کام سے روک دیا جائے۔
8. ٹیلیویژن پر مباحثے (ٹاک شوز) کے لیے قوائد وضوابط مقرر کیے جائیں۔

حواشی

[1] ترمذی ، ابو عیسیٰ ، السنن، كتاب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي الْبِرِّ وَالإِثْمِ، ج 2، ص177، حدیث 2389

[2] Prevention of Electronic Crimes (Amendment) Ordinance, 2022

[3] http://pakistanbarcouncil.org/22-02-2022/

[4] https://www.hrw.org/news/2022/02/28/pakistan-repeal-amendment-draconian-cyber-law

[5] Islamabad High Court, Islamabad Order on Writ Petition No. 666/2022, dated 08 April, 2022

[6] https://www.ifj.org/es/centro-de-medios/noticias/detalle/category/press-releases/article/pakistan-peca-ordinance-overruled-by-islamabad-high-court.html

[7] https://www.google.com/search?q=english+to+urdu+translation&oq=english+&aqs=chrome.0.69i59j69i57j69i60j69i61l2j69i65j69i60l2.2084j0j7&sourceid=chrome&ie=UTF-8

[8] محمد شاہد حسین ، ابلاغیات ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 2004، ص177

[9] الہاشمی ، چودھری رحم علی ، فن صحافت ، انجمن ترقی اردو دہلی ، 1943، ص 14

[10] نسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، السنن ، مکتبۃ البشریٰ کراچی، 2010، كتاب الاستعاذة، بَابُ الِاسْتِعَاذَةِ مِنَ الْفَقْرِ، ج 3، ص137، حدیث5487

[11] سہیل انجم ، احوال صحافت، 6A/370 ذکر نگر نئی دہلی، 2012، ص 77

[12] ایضاً، ص 78

[13] روزنامہ جنگ راولپنڈی، جمعہ 21 ذیقعدہ 1442ھ، 2 جولائی 2021، فرنٹ پیج

[14] اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، ترمیم شدہ لغایت 7 جنوری 2015، قومی اسمبلی پاکستان، ص 11

[15] صفدر حیات صفدر، آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان 1973ء (تجزیہ و تبصرہ)، نیو بک پیلس لاہور، ص 30

[16] قریشی، اختر علی، آئین پاکستان 1973ء (مع جدید ترامیم)، ندیم بک ہاؤس لاہور، ص 36

[17] الشعرآء: 10-11

[18] النازعات: 24

[19] ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ترجمہ: محمد صاحب جوناگڑھیؒ، شمع بک ایجنسی لاہور، 2004، ج 1، ص 333

[20] البقرہ: 358

[21] ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، كتاب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ، الطاف اینڈ سنز کراچی، 2009، ج 2، ص 113، حدیث 2174

[22] سعید احمد پالنپوری، تحفۃ الالمعی شرح سنن ترمذی، زمزم پبلشرز کراچی، 2011، ج 5، ص 543

[23] ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، كتاب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ أَوْ بِالْقَلْبِ، ج 2، ص 113، حدیث 2172

[24] مسند احمد (مترجم)، ترجمہ: محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص 166، ج 1، حدیث 208

[25] مسلم، ابو الحسن مسلم بن الحجاج نیشاپوریؒ، الصحیح، مکتبۃ البشریٰ کراچی، 2011، كِتَاب الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاة، باب السَّهْوِ فِي الصَّلَاةِ وَالسُّجُودِ لَهُ، ج 2، ص 438، حدیث 1288

[26] محمد بن سعد، طبقات، نفیس اکیڈمی کراچی، ج 1، ص 273

[27] ایضاً، ص 298

[28] طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ، نفیس اکیڈمی کراچی، 2004، ج 2، حصہ 2، ص 36

[29] محمد بن سعد، طبقات، ج 2، ص 69

[30] طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ، ج 3، حصہ 1، ص 229

[31] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن اردو بازار لاہور، 2000، ص 256

[32] مبارک پوری، قاضی اطہر، سیرت ائمہ اربعہ، ادارۂ اسلامیات لاہور، 1990، ص 235

[33] مظہری، وارث، آزادی فکر و نظر اور مسلم معاشرے کی صورت حال، ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، جولائی 2013، ص 8

[34] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، اسلامی ریاست، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، 1999، ص 566